صریر خامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 05, Issue 01 (Jan-March 2026)

نہی میں حدیث تقریری سے استدلال: مباحث و امثلہ

Inference from Tacit Prophetic Approval in Prohibitive Rulings: Critical Discussions and Examples

Muhammad Dawood
Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
Dawoods444@gmail.com

Dr. Usman Ahmad
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Abstract:
One of the significant and comparatively subtle discussions concerning the legal implications of Hadith al-Taqrīr (the Prophet's tacit approval) relates to those instances in which a Companion refrained from performing a particular act, and the Messenger of Allah ﷺ, despite being aware of this abstention, expressed no disapproval of it. From the perspective of legal theory, this issue extends beyond the independent concepts of "abstention" (tark) and "tacit approval" (iqrār); rather, it calls for an examination of their interrelationship and the juristic implications that arise from it. A Companion may refrain from an act on the basis of his understanding of the Sharīʿah, believing it to be prohibited (ḥarām), reprehensible (makrūh), contrary to what is preferable (khilāf al-awlā), or subject to another degree of prohibition. When the Prophet ﷺ becomes aware of such conduct yet offers no correction or censure, an important legal question arises: Does this silence merely indicate the permissibility of abstaining from the act, or does it also signify approval of the legal characterization upon which the Companion based his abstention?
For this reason, the study of the relationship between abstention (tark) and tacit approval (iqrār) occupies a position of particular importance in determining the legal rulings derived from Hadith al-Taqrīr. In certain cases, the object of the Prophet's tacit approval is not a positive act but rather a negative course of conduct—that is, the deliberate omission of an act. It therefore becomes essential to examine the juristic nature of tark, its relationship to Prophetic tacit approval, and the contextual indicators and evidentiary circumstances under which the Prophet's ﷺ silence may be understood as implying a particular degree of prohibition concerning an act, whether absolute prohibition (taḥrīm), reprehensibility (karāhah), or merely that it is contrary to what is preferable (khilāf al-awlā). This study investigates these issues in detail and illustrates them through a series of representative examples.
Keywords: *Prophet's tacit approval, abstention, absolute prohibition*

حدیثِ تقریری کی دلالات میں ایک اہم اور نسبتاً دقیق بحث ان مواقع سے متعلق ہے جہاں کسی صحابی نے کسی عمل کو انجام دینے کے بجائے ترک کیا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اس ترک سے آگاہ ہونے کے باوجود اس پر نکیر نہ فرمائی ہو۔ اصولی اعتبار سے یہ مسئلہ محض "ترک" یا "اقرار" کی الگ الگ حیثیت تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان دونوں کے باہمی تعلق اور ان سے پیدا ہونے والی شرعی دلالات کا متقاضی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات صحابی کسی عمل کو اپنے فہمِ شرع کی بناپر ترک کرتا ہے، اور اس کے ذہن میں اس عمل کے متعلق حرمت، کراہت، خلافِ اولیٰ یا کسی اور درجۂ نہی کا تصور موجود ہوتا ہے۔ پھر جب نبی اکرم ﷺ اس طرزِ عمل سے واقف ہو کر اس کی تردید نہیں فرماتے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سکوت محض جوازِ ترک پر دلالت کرتا ہے یا اس شرعی مفہوم کی تائید بھی کرتا ہے جس کی بنیاد پر صحابی نے اس عمل کو ترک کیا تھا۔

اسی وجہ سے حدیثِ تقریری سے مستفاد احکام کے باب میں ترک اور اقرار کے تعلق کا مطالعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ بعض اوقات تقریر کا محل کوئی مثبت فعل نہیں بلکہ ایک منفی طرزِ عمل، یعنی ترکِ فعل، ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر یہ جاننا ضروری ہے کہ ترک اپنی ماہیت کے اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے، اقرارِ نبوی کے ساتھ اس کا کیا تعلق بنتا ہے، اور کن قرائن و شواہد کی موجودگی میں نبی کریم ﷺ کا سکوت کسی عمل کے بارے میں نہی کے کسی درجہ، خواہ وہ تحریم ہو، کراہت ہو یا خلافِ اولیٰ، پر دلالت کر سکتا ہے۔ ان ہی مباحث کی وضاحت کے لیے سب سے پہلے ترک اور اقرار کے باہمی تعلق کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ترک اور اقرار کا باہمی ربط اور فرق

ترک اور اقرار کے باہمی تعلق کو سمجھنا حدیثِ تقریری کی دلالات کے فہم میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اصولیین نے اگرچہ ان دونوں کے درمیان متعدد وجوہِ افتراق بیان کی ہیں، تاہم ان کے مابین بعض مشترک جہات بھی پائی جاتی ہیں جو ان کے اصولی ربط کو واضح کرتی ہیں۔ چنانچہ بعض اہلِ اصول کے نزدیک دونوں میں "کف" اور "امتناع" کا مفہوم مشترک ہے، کیونکہ «أن كلا منهما كف، فالترك كف عن الفعل، والإقرار كف عن إنكار الفعل»

[i]، یعنی ترک کسی فعل سے باز رہنے کا نام ہے جبکہ اقرار کسی قول یا فعل پر انکار سے اجتناب کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم اس اشتراک کے باوجود دونوں کی حقیقت اور دلالت میں فرق موجود ہے؛ کیونکہ ترک براہِ راست نبی اکرم ﷺ کے اپنے عمل سے متعلق ہوتا ہے، جبکہ اقرار دوسروں کے اقوال و افعال پر آپ ﷺ کی خاموش موافقت اور تائید کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح ترک کی دلالت بعض مواقع پر تحریم، کراہت یا اباحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جب کہ اقرار بالعموم جواز، مشروعیت، استحباب اور بعض قرائن کی موجودگی میں خلاف اولی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی بناپر فقہاء اور اصولیین نے ترک اور اقرار سے مستنبط احکام میں فرق کیا ہے، اگرچہ دونوں سنتِ نبوی کے معتبر مصادر میں شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا حدیثِ تقریری سے نہی پر استدلال کے مباحث میں ترک اور اقرار کے

تعلق کا ادراک نہایت ضروری ہے، کیونکہ متعدد مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی عمل کو ترک کرنا اور پھر نبی اکرم ﷺ کا اس پر سکوت فرمانا ان دونوں اصولوں کے باہمی امتزاج کی ایک نمایاں صورت بن جاتا ہے۔

صحابی کے ترک کی شرعی حیثیت

جب صحابی کسی عمل کو ترک کرتا ہے تو اس ترک کی شرعی حیثیت ایک جیسی اور متعین نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے اسباب اور حالات کے مطابق مختلف ہو سکتی ہے۔ اصولیین کے نزدیک صرف ترک سے کوئی خاص حکم (جیسے حرمت یا کراہت) لازمی طور پر ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ترک کبھی عادت کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی کسی سبب کے نہ ہونے کی وجہ سے، اور کبھی کسی دینی فہم کی بنیاد پر۔ اس لیے ترک کو سمجھنے کے لیے اس کے ساتھ موجود حالات اور قرائن کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے سکوت کا اثر

جب نبی اکرم ﷺ کسی صحابی کے ترک کو دیکھ کر یا جان کر اس پر سکوت اختیار فرماتے ہیں تو یہ خاموشی محض بے خبری یا عدمِ توجہ نہیں ہوتی، بلکہ اس کی ایک شرعی حیثیت ہوتی ہے۔ یہ سکوت اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ترک کم از کم قابلِ قبول تھا اور اس پر انکار ضروری نہیں سمجھا گیا۔ تاہم اس سے کسی خاص حکم (جیسے حرمت یا کراہت) کو خود بخود متعین نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی درست دلالت حالات اور قرائن کے ساتھ مل کر ہی واضح ہوتی ہے۔

کیا سکوت صرف جواز بتاتا ہے یا فہم کی تائید بھی؟

حدیثِ تقریری کے بارے میں اہم سوال یہ ہے کہ کیا نبی ﷺ کا سکوت صرف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کام یا ترک جائز ہے، یا اس سے صحابی کے فہم کی تائید بھی ثابت ہوتی ہے؟ اصولی طور پر اگر صحابی کسی دینی فہم کی بنیاد پر کوئی عمل ترک کرے اور نبی ﷺ اس پر سکوت فرمائیں تو یہ سکوت صرف جواز تک محدود نہیں رہتا بلکہ بعض صورتوں میں اس فہم کی تائید بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ تائید ہر حالت میں یکساں نہیں ہوتی بلکہ اس کا درجہ حالات اور قرائن کے مطابق مختلف ہوتا ہے۔

قرائن کے ذریعے حکم کی تعیین اور اس کے اصولی قواعد

حدیثِ تقریری میں محض سکوت یا ترکِ انکار سے کسی متعین شرعی حکم کا استخراج اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ موجود قرائن اور حالات کو سامنے نہ رکھا جائے، کیونکہ اصولیین کے نزدیک دلالتِ نصوص اور استنباطِ احکام ہمیشہ سیاق، قرائن اور احوال کے تابع ہوتے ہیں۔ اس اصول کو اہلِ علم نے متعدد قواعد کی صورت میں بیان کیا ہے، جن میں ایک بنیادی قاعدہ امام قرافی کے ہاں یوں منقول ہے: "تتغير الفتوى بتغير الزمان والمكان والأحوال والعوائد والنيات"[ii] یعنی فتویٰ زمانہ، مکان، حالات، عادات اور نیتوں کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ اسی طرح امام شاطبی نے دلالتِ نصوص کے بارے میں یہ اصولی نکتہ واضح

کیاہے کہ "إن دلالة الألفاظ تختلف باختلاف القرائن والأحوال"[iii] یعنی الفاظ کی دلالت قرائن اور حالات کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے۔

ان اصولی قواعد کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیثِ تقریری میں نبی اکرم ﷺ کا سکوت بذاتِ خود کسی ایک درجے (تحریم، کراہت یا اباحت) کو متعین نہیں کرتا، بلکہ اس کی تعیین ہمیشہ اس سیاق اور ان قرائن پر موقوف ہوتی ہے جن میں وہ واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ اگر قرائن اس بات پر دلالت کریں کہ صحابی نے کسی عمل کو شدید شرعی فہم کی بنیاد پر ترک کیا اور نبی ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا، تو یہ سکوت اس فہم کی تائید اور اعلیٰ درجے کی نہی (تحریم) کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر قرائن کمزور ہوں یا ترک محض عادت یا عدمِ سبب پر مبنی ہو تو پھر اس سے صرف عدمِ دلالت یا ادنیٰ درجے کا حکم مستفاد ہو گا۔ اس طرح اصولیین کے یہ قواعد اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ حدیثِ تقریری کی دلالت ایک جامد حکم نہیں بلکہ ایک قرائن پر مبنی دلالت ہے۔

قرائن کی اقسام دلالت پر ان کا اثر

حدیثِ تقریری میں کسی ترک یا سکوت سے حکم کے استنباط کے لیے محض اصلِ سکوت کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ موجود قرائن اس کی دلالت کو متعین کرتے ہیں۔ ان قرائن کو عملی طور پر تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ایسے قرائن جو حرمت پر دلالت کریں:

جب کسی صحابی کا ترک ایسے سیاق میں ہو کہ اس کے ساتھ کسی حکم کے وجوب یا حرمت کا قوی احتمال موجود ہو، اور صحابی اسے دینی فہم کی بنیاد پر اختیار کرے، تو یہ قرائن اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ یہ ترک اعلیٰ درجے کی نہی یعنی تحریم پر دلالت کر سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ صحابی کسی ایسے عمل کو چھوڑ دے جس کے بارے میں عمومی نصوص میں سخت وعید یا ممانعت کے اشارات موجود ہوں، اور نبی ﷺ اس ترک سے آگاہ ہو کر اس پر سکوت اختیار فرمائیں۔ اس صورت میں سکوت محض جوازِ ترک نہیں بلکہ اس فہمِ تحریم کی تائید کے قریب ہو جاتا ہے۔

ایسے قرائن جو کراہت پر دلالت کریں:

بعض اوقات ترک ایسے قرائن کے ساتھ ہوتا ہے جو کسی عمل کی عدمِ اولویت یا ناپسندیدگی کو ظاہر کرتے ہیں، مگر اس حد تک نہیں پہنچتے کہ اسے قطعی طور پر حرام کہا جائے۔ اس صورت میں نبی ﷺ کا سکوت اس ترک کو کراہت کے درجے پر برقرار رکھتا ہے۔ یعنی صحابی کا فہم یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل مناسب نہیں یا بہتر نہیں، اور نبی ﷺ اس فہم کی تردید نہیں فرماتے، تو یہ قرائن کراہت کے اثبات میں معاون بنتے ہیں۔

ایسے قرائن جو خلافِ اولیٰ اور ترک محض پر دلالت کریں:

کبھی ترک ایسے حالات میں ہوتا ہے جہاں نہ تو کسی شرعی ممانعت کا تقاضا موجود ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کراہت کا قوی پہلو، بلکہ صرف ایک بہتر متبادل کے مقابلے میں کسی عمل کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ ترک "خلافِ اولیٰ" کے درجے میں شمار ہوتا ہے یا بعض اوقات محض "ترکِ مباح" ہوتا ہے جس سے کوئی مستقل حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا۔ اگر نبی ﷺ اس پر سکوت فرمائیں تو یہ سکوت صرف عدمِ انکار اور جواز کی حد تک رہتا ہے، نہ کہ کسی اعلیٰ درجے کی دلالت کا موجب بنتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ حدیثِ تقریری میں نہی کا درجہ کبھی بھی مجرد سکوت سے متعین نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ ان قرائن کے تابع ہوتا ہے جو ترک کے پس منظر، صحابی کے فہم، اور سیاقِ واقعات سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اصولیین نے دلالتِ ترک کو "قرائن کے تابع دلالت" قرار دیا ہے جو مختلف حالات میں مختلف مراتبِ حکم کو جنم دیتی ہے۔

نہیِ تقریری پر حدیثِ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے استدلال

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ ، قَالَ:"كُنَّا نَرَى الِاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ[iv]."

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور ان کے لیے ان کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔

استدلال

اس روایت میں حضرت جریر بن عبداللہؓ صحابۂ کرام کے ایک اجتماعی فہم کو نقل کر رہے ہیں کہ وہ میت کے گھر اجتماع اور اہلِ میت کی جانب سے لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے کو نوحہ کے حکم میں شمار کرتے تھے۔ نوحہ چونکہ شریعت میں ممنوع اور محلّ مذمت عمل ہے، اس لیے صحابہ کا اس عمل کو نوحہ سے ملحق کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ طرزِ عمل شرعاً ناپسندیدہ تھا۔ مزید یہ کہ یہ فہم عہدِ نبوی کے صحابہ کا معروف فہم تھا اور اس کے خلاف کسی نبوی تصحیح یا نکیر کا ثبوت منقول نہیں۔ لہٰذا حدیثِ تقریری کے اصول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس فہم کی تردید کا عدمِ ثبوت اس بات کی مؤید بن سکتا ہے کہ صحابہ کا یہ اجتہاد محلِّ قبول تھا۔

اس روایت میں قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ صحابہ نے محض ایک فعل کو ترک نہیں کیا بلکہ اس کے متعلق ایک شرعی درجہ بھی متعین کیا، یعنی اسے نوحہ کے زمرے میں داخل سمجھا۔ چنانچہ اگر یہ فہم رسول اللہ ﷺ کے علم میں تھا اور اس پر کوئی نکیر وارد نہیں ہوئی تو تقریری دلالت صرف جوازِ ترک تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس شرعی فہم کی تائید کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس کی بنیاد پر صحابہ نے اس عمل سے اجتناب کیا تھا۔

اصولی اعتبار سے صرف اس روایت کی بنیاد پر قطعی تحریم کا حکم قائم کرنا محلِّ نظر ہے، کیونکہ روایت میں نبی ﷺ کا صریح اقرار مذکور نہیں بلکہ صحابی کا فہم منقول ہے۔ تاہم چونکہ صحابہ نے اس عمل کو "من النیاحۃ" قرار دیا ہے اور نوحہ اصلاً ممنوع ہے، اس لیے یہ روایت کم از کم کراہتِ شدیدہ یا ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

البتہ اگر اس روایت کو نوحہ کی حرمت پر وارد دیگر نصوص کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو استدلال کا درجہ قوی ہو جاتا ہے، اور متعدد فقہاء نے اسی بنا پر اہلِ میت کی طرف سے تعزیتی اجتماع کے لیے کھانا تیار کرنے کو مکروہ بلکہ بعض صورتوں میں ممنوع قرار دیا ہے۔

"یہ روایت اس بات کی مثال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مخصوص عمل کو شرعاً مذموم سمجھتے ہوئے اس سے اجتناب کیا اور اسے نوحہ کے حکم میں شمار کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس فہم کی کوئی تردید منقول نہ ہونے کی وجہ سے یہ واقعہ حدیثِ تقریری کے اس اصولی باب سے متعلق قرار پاتا ہے جس میں صحابی کے شرعی فہم پر مبنی ترک کو اقرارِ نبوی حاصل ہو۔ تاہم اس روایت سے براہِ راست تحریم کے بجائے ممانعت اور کراہتِ شدیدہ کا مفہوم زیادہ واضح طور پر مستفاد ہوتا ہے، جبکہ تحریم کا درجہ دیگر مؤید نصوص اور قرائن کے ساتھ مل کر متعین کیا جا سکتا ہے۔"

اسی مفہوم کے قریب قریب یہ روایت بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر کی شہادت پر فرمایا تھا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اصْنَعُوا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ[v]

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب جعفر طیار کے مرنے کی خبر آئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا پکاؤ، اس لیے کہ آج ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جس میں وہ مشغول ہیں"

اور سنن ابن ماجہ کی شرح میں علامہ سندھی رحمۃ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(قَوْلُهُ: كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ) أَيْ كَانُوا يَعُدُّونَ ذَلِكَ مِنْ أَفْعَالِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ الَّتِي وَرَدَ الشَّرْعُ بِالنَّهْيِ عَنْهَا لِمَا فِيهِ مِنْ أَنَّهُ أَمْرٌ زَائِدٌ عَلَى الْمُصِيبَةِ وَشُغْلٌ لَهُمْ مَعَ شُغْلِهِمْ، وَلَعَلَّ ذَلِكَ إِذَا كَانَ الِاجْتِمَاعُ عَلَى وَجْهٍ يُشْبِهُ النِّيَاحَةَ، وَإِلَّا فَمُجَرَّدُ الِاجْتِمَاعِ لِلتَّعْزِيَةِ لَا بَأْسَ بِهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ."[vi]

"(جریر بن عبداللہ کے اس قول: *كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ* کا مطلب) یہ ہے کہ صحابہ کرام اس (میت کے گھر اجتماع اور کھانے پینے) کو اہلِ جاہلیت کے ان افعال میں شمار کرتے تھے جن سے شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک تو مصیبت پر مزید بوجھ ڈالنا ہے، اور دوسرا میت کے گھر والوں کو ان کے غم و اندوہ کے ساتھ مزید (انتظامات کے) کام میں مشغول کرنا ہے (جبکہ شریعت نے دوسروں کو ان کے لیے کھانا بنانے کا حکم دیا تھا)۔"

اعتقاد منع پر مبنی ترک پر اقرار نبوی ﷺ

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمْ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے احزاب کے دن فرمایا: ”ہر شخص نماز عصر بنو قریظہ پہنچ کر ہی ادا کرے۔“ بعض حضرات کو نماز عصر کا وقت راستے میں آ گیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز ادا کریں گے جبکہ بعض نے کہا: ہم تو ابھی نماز پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمارے متعلق یہ ارادہ نہیں کیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں۔ بعد میں نبی ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے کسی پر بھی خفگی کا اظہار نہ فرمایا۔

استدلال

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان "لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ" کے ظاہری مفہوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے راستے میں نمازِ عصر ادا نہیں کی، کیونکہ ان کے نزدیک نبوی حکم کی خلاف ورزی جائز نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس اندیشے کے باوجود کہ نماز کا وقت نکل سکتا ہے، نماز کو مؤخر کرنا مناسب سمجھا۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نصِ نبوی کی تعمیل کو اس درجہ اہمیت دیتے تھے کہ اس کے مقابلے میں اپنے قیاس اور ظاہری مصلحت کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

جب یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان صحابہ پر کوئی نکیر یا تعنیف نہیں فرمائی جنہوں نے نماز کو مؤخر کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ سکوت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا یہ اجتہادی فہم محلِّ اعتبار تھا اور محض اس وجہ سے قابلِ مؤاخذہ نہیں تھا کہ انہوں نے نص کے ظاہری مفہوم کو اختیار کیا تھا۔ اس طرح یہ واقعہ اس اصول کی تائید کرتا ہے کہ اگر کوئی صحابی کسی شرعی فہم کی بنیاد پر کسی فعل کو ترک کرے اور نبی اکرم ﷺ اس پر نکیر نہ فرمائیں تو یہ اقرار اس اجتہادی منہج کی صحت اور اس کے معتبر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مزید برآں، اس روایت میں محلِّ استدلال یہ نہیں کہ نمازِ عصر کو وقت پر ادا کرنا ممنوع تھا، بلکہ اصل دلالت اس امر پر ہے کہ بعض صحابہ نے نبوی حکم کی مخالفت کو ممنوع سمجھتے ہوئے نماز کو مؤخر کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس فہم کو رد نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہ روایت "الإقرار على الترك المبني على اعتقاد المنع" کی ایک نمایاں مثال ہے، جہاں ترکِ فعل کسی عادی یا اتفاقی سبب سے نہیں بلکہ ایک شرعی تصورِ منع کی بنیاد پر واقع ہوا، اور اقرارِ نبوی نے اس اجتہادی فہم کے معتبر ہونے کی تائید فرمائی۔ اسی وجہ سے یہ روایت حدیثِ تقریری سے نہی پر استدلال کے مباحث میں ایک اہم اصولی مثال کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

بعض اوقات نبی اکرم ﷺ کا سکوت صرف جوازِ ترک پر نہیں بلکہ اس شرعی فہم کی صحت پر بھی دلالت کرتا ہے جس کی بنا پر ترک اختیار کیا گیا ہو۔

ستونوں کے درمیان صف بندی سے اجتناب پر اقرار نبوی

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ مَحْمُودٍ قَالَ صَلَّيْنَا خَلْفَ أَمِيرٍ مِنْ الْأُمَرَاءِ فَاضْطَرَّنَا النَّاسُ فَصَلَّيْنَا بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَلَمَّا صَلَّيْنَا قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَاب عَنْ قُرَّةَ بْنِ إِيَاسٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُصَفَّ بَيْنَ السَّوَارِي وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحَقُ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ذَلِكَ

عبدالحمید بن محمود کہتے ہیں کہ ہم نے امراء میں سے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی، لوگوں نے ہمیں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے پر مجبور کر دیا جب ہم نماز پڑھ چکے تو انس بن مالکؓ نے کہا: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس سے بچتے تھے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ۱- انسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ۲- اس باب میں قرۃ بن ایاس مزنیؓ سے بھی روایت ہے۔ ۳- علماء میں سے کچھ لوگوں نے ستونوں کے درمیان صف لگانے کو مکروہ جانا ہے۔ احمد اور اسحاق بن راہویہ بھی یہی کہتے ہیں، اور کچھ علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

حدیثِ انسؓ سے نہی تقریری پر استدلال

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی اس روایت میں عبد الحمید بن محمود بیان کرتے ہیں کہ ایک امیر کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہوئے لوگوں کے ہجوم نے انہیں ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر صف بنانے پر مجبور کر دیا۔ نماز کے بعد حضرت انسؓ نے فرمایا: (كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ)، یعنی "ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس عمل سے بچا کرتے تھے۔" یہ روایت حدیثِ تقریری سے نہی پر استدلال کی بحث میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ اس میں صحابۂ کرام کے ایک اجتماعی طرزِ عمل کا ذکر ہے جو کسی صریح قولی ممانعت کے بجائے عملی اجتناب کی صورت میں منقول ہوا ہے۔

علامہ عبد الرحمن المبارکفوریؒ اپنی شہرہ آفاق شرح "تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي" میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ: كُنَّا نَتَّقِي هَذَا) أَيْ: الصَّلَاةَ بَيْنَ السَّوَارِي، أَوْ نَتَّقِي الصَّفَّ بَيْنَهُمَا. وَالْأَوَّلُ أَوْلَى لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ حَقِيقَةً هُوَ الصَّفُّ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهَا تَقْطَعُ الصُّفُوفَ، وَأَمَّا صَلَاةُ الْمُنْفَرِدِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَلَيْسَتْ بِمَكْرُوهَةٍ بِلَا خِلَافٍ، بَلْ هِيَ مُسْتَحَبَّةٌ إِذَا كَانَتِ السَّارِيَةُ سُتْرَةً لَهُ"[vii]

ترجمہ

(حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس) قول: "ہم اس سے بچتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ ہم ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بچتے تھے، یا ستونوں کے درمیان صف بنانے سے بچتے تھے۔ اور پہلا معنی زیادہ بہتر (اور اولیٰ) ہے، کیونکہ جس چیز سے حقیقت میں منع کیا گیا ہے وہ ستونوں کے درمیان صف بنانا ہے کیونکہ اس سے صفیں ٹوٹ (منقطع ہو) جاتی ہیں۔ جہاں تک ستونوں کے درمیان اکیلے شخص کی نماز کا تعلق ہے، تو وہ بلا کسی اختلاف کے مکروہ نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ ستون اس کے لیے سُترہ بن رہا ہو۔

اس روایت کا پہلا قابلِ توجہ پہلو لفظ "نَتَّقِي" ہے۔ عربی زبان میں "اتقاء" محض کسی کام کو نہ کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ عموماً ایسے کام سے بچنے کے لیے بولا جاتا ہے جس میں کسی درجے کا ضرر، مفسدہ یا شرعی ناپسندیدگی پائی جاتی ہو۔ حضرت انسؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ "كُنَّا لَا نَفْعَلُ" (ہم یہ نہیں کرتے تھے)، بلکہ فرمایا: "كُنَّا نَتَّقِي هَذَا" (ہم اس سے بچتے تھے)۔ اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک ستونوں کے درمیان صف باندھنے سے اجتناب محض اتفاقی یا عرفی عمل نہیں تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک شرعی فہم کارفرما تھا۔ یہی فہم اس روایت کو حدیثِ تقریری کے دائرے میں داخل کرتا ہے، کیونکہ یہاں صحابہ کا ترک کسی دینی ملاحظے پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

مزید برآں حضرت انسؓ نے اس اجتناب کو اپنے ذاتی اجتہاد یا پسند کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ فرمایا: "عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ"۔ اس نسبت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ طرزِ عمل عہدِ نبوی میں معروف اور موجود تھا۔ اگر صحابہ کرامؓ مسلسل اس عمل سے اجتناب کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ اس سے واقف تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے اس اجتناب پر نکیر نہیں فرمائی، تو یہ سکوتِ نبوی اس طرزِ عمل کی تقریری تائید شمار ہوگا۔ اصولِ حدیث کے مطابق نبی ﷺ کے سامنے کسی فعل یا ترک کا وقوع پذیر ہونا اور آپ ﷺ کا اس پر سکوت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عمل یا ترک کم از کم قابلِ قبول اور مشروع دائرے کے اندر تھا۔

البتہ اس تقریر سے حاصل ہونے والے حکم کے درجے کے تعین کے لیے قرائن کا لحاظ ضروری ہے۔ روایت میں نہ تو وعید وارد ہوئی ہے، نہ صریح ممانعت، اور نہ ہی ترک کرنے والوں کی مدح یا کرنے والوں کی مذمت منقول ہے۔ اسی وجہ سے جمہور اصولیین کے نزدیک اس قسم کی تقریر سے تحریم کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے فہم میں یہ عمل پسندیدہ نہیں تھا اور نبی ﷺ نے اس فہم کی تردید نہیں فرمائی۔ لہٰذا اس روایت کی دلالت کراہت یا خلافِ اولیٰ کے درجے پر زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

اسی بنا پر امام ترمذیؒ نے روایت نقل کرنے کے بعد اہلِ علم کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ بعض علماء نے ستونوں کے درمیان صف باندھنے کو مکروہ قرار دیا، جبکہ بعض نے ضرورت کی صورت میں اس کی اجازت دی۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کا موقف بھی کراہت کی طرف مائل ہے۔ یہ اختلاف خود اس بات کا قرینہ ہے کہ روایت سے تحریم نہیں سمجھی گئی، کیونکہ اگر صحابہ کے فہم اور

تقریرِ نبوی سے حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی تو اہلِ علم میں اس درجے کا اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ چنانچہ روایت کا زیادہ مناسب محمل کراہتِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ قرار پاتا ہے، خصوصاً اس وقت جب بلا ضرورت ستون صف کو منقطع کر رہے ہوں۔

اصولی اعتبار سے اس روایت سے ایک اہم قاعدہ مستفاد ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ صحابۂ کرام کا کسی عمل سے شعوری اجتناب، جب عہدِ نبوی میں معروف ہو اور نبی اکرم ﷺ اس پر نکیر نہ فرمائیں، تو یہ اجتناب شرعی دلالت کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ اس دلالت کا درجہ قرائن کے تابع ہوتا ہے۔ اگر قوی قرائن موجود ہوں تو تحریم یا کراہتِ تحریمی تک پہنچا جا سکتا ہے، اور اگر قرائن کمزور ہوں تو کراہتِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کا حکم اخذ کیا جائے گا۔ زیرِ بحث روایت میں موجود قرائن دوسرے درجے کی تائید کرتے ہیں۔

اس طرح حضرت انسؓ کی یہ روایت حدیثِ تقریری سے نہی پر استدلال کی ایک عمدہ مثال ہے، جس میں صحابہ کرامؓ کا ترک، ان کے شرعی فہم کی عکاسی کرتا ہے، جبکہ نبی اکرم ﷺ کا سکوت اس فہم کے اصل جواز اور اعتبار کی دلیل بنتا ہے۔ تاہم چونکہ روایت میں صریح ممانعت یا وعید موجود نہیں، اس لیے اس سے ثابت ہونے والا حکم کراہت یا خلافِ اولیٰ کے درجے میں سمجھا جائے گا، نہ کہ تحریم کے درجے میں۔ یہی تطبیق روایت کے الفاظ، عملِ صحابہ اور فقہاء کے اقوال کے مجموعی مطالعہ سے زیادہ موافق معلوم ہوتی ہے۔

قیامِ تعظیمی کے ترک پر تقریری دلالت اور کراہت کا استنباط

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:

«لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لَهُ، لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ».

وفي رواية: «وَكُنَّا نَكْرَهُ أَنْ نَقُومَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَمَا تَفْعَلُ الْأَعَاجِمُ بِمُلُوكِهَا»[viii]

ترجمہ

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخصیت محبوب نہ تھی، لیکن جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس (تعظیماً کھڑے ہونے) کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک روایت میں ہے: "ہم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے سامنے اس طرح کھڑے ہوں جیسے عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔"

استدلال

اس حدیثِ پاک سے حاصل ہونے والے فقہی و اصولی استدلال کو واضح کرتے ہوئے علامہ عبد الرحمن المبارکفوریؒ اپنی شہرہ آفاق شرح «تحفة الأحوذي» میں رقم طراز ہیں:

«قَالَ الْمُبَارَكْفُورِيُّ: (قَوْلُهُ: لَمَّا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ) فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِمَنْ يُقَامُ لَهُ أَنْ يُحِبَّ ذَلِكَ أَوْ يَأْمُرَ بِهِ، بَلْ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَكْرَهَهُ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُهُ، وَأَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا لَهُ إِذَا كَانَ ذَلِكَ دَيْدَنًا، بَلْ يُسْتَحَبُّ لَهُمْ تَرْكُهُ اقْتِدَاءً بِالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ؛ فَإِنَّهُمْ تَرَكُوا الْقِيَامَ لَهُ مَعَ أَنَّهُ كَانَ أَحَبَّ الْأَشْخَاصِ إِلَيْهِمْ.»[ix]

ترجمہ

"(حضرت انس رضی اللہ عنہ کے) اس قول: 'کیونکہ وہ آپ ﷺ کی اس (قیام) کے لیے ناپسندیدگی کو جانتے تھے' میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص کے لیے لوگ کھڑے ہوتے ہوں، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو پسند کرے یا اس کا حکم دے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اسے ناپسند کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے۔ اور (اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ) لوگوں کے لیے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اس شخص کے لیے کھڑے ہوں اگر یہ ان کا معمول بن چکا ہو، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کرتے ہوئے لوگوں کے لیے اس قیام کو چھوڑ دینا ہی مستحب ہے؛ کیونکہ صحابہ نے آپ ﷺ کے لیے کھڑا ہونا چھوڑ دیا تھا باوجود اس کے کہ آپ ﷺ ان کے نزدیک تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہستی تھے۔"

حدیثِ انس بن مالکؓ میں مذکور ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخصیت محبوب نہ تھی، لیکن اس کے باوجود جب وہ آپ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھتے تو آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس طرزِ تعظیم کو پسند نہیں فرماتے۔ روایت کے الفاظ ہیں: (وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لَهُ، لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ)-یہ روایت حدیثِ تقریری سے نہی کے درجات پر استدلال کی بحث میں نہایت اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ اس میں صحابۂ کرام کا ایک شعوری اور مسلسل ترک مذکور ہے جو براہِ راست نبی اکرم ﷺ کی معلوم شدہ ناپسندیدگی پر مبنی تھا۔

سب سے پہلے یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ ترک کسی عرفی عادت یا اتفاقی طرزِ عمل کا نتیجہ نہیں تھا۔ روایت کا ابتدائی حصہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخصیت تھے۔ انسانی طبیعت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ محبت و تعظیم کے اظہار کے لیے آپ ﷺ کے استقبال میں کھڑے ہوتے، جیسا کہ بادشاہوں، سرداروں اور معزز شخصیات کے لیے دنیا بھر میں رائج رہا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے اپنی فطری رغبت کے باوجود اس عمل کو اختیار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ترک ایک شعوری دینی التزام تھا، جو محض ذاتی پسند یا سماجی عرف پر نہیں بلکہ ایک شرعی فہم پر مبنی تھا۔

اس روایت کا مرکزی نکتہ لفظ «کَرَاهِيَتِهِ» ہے۔ صحابہ کرامؓ نے قیام سے اجتناب کی علت یہ بیان نہیں کی کہ نبی ﷺ نے اس سے صریح ممانعت فرمائی تھی، بلکہ یہ بیان کیا کہ وہ آپ ﷺ کی کراہت اور ناپسندیدگی کو جانتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کے اقوال کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے اشارات، عادات، رغبتوں اور ناپسندیدگیوں کو بھی شرعی دلالت کا

مصدر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اس قسم کے تعظیمی قیام کو پسند نہیں فرماتے تو انہوں نے از خود اس عمل کو ترک کر دیا۔ یہ طرزِ عمل اس حقیقت کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک نبی ﷺ کی معلوم شدہ کراہت بھی شرعی اعتبار رکھتی تھی اور اس کی بنیاد پر عملی رویہ متعین کیا جا سکتا تھا۔

تاہم اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس روایت سے تحریم ثابت ہوتی ہے یا صرف کراہت؟ اصولی قواعد اور روایت کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے تحریم کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ خود روایت میں «كَرَاهِيَتِهِ» کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ کی طرف "تحریم" یا "نہی" کی نسبت نہیں کی بلکہ "کراہت" کی نسبت کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں کوئی وعید، مذمت یا گناہ کا بیان موجود نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ دیگر صحیح احادیث میں بعض مواقع پر احتراماً کھڑے ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے، جیسا کہ حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان: «قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ»۔ ان روایات کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق قیام ممنوع نہیں بلکہ وہ قیام ناپسندیدہ ہے جو عجمی بادشاہوں کی طرح تعظیم و تکبر کے اظہار کے لیے ہو۔

اسی حقیقت کو روایت کے بعض الفاظ مزید واضح کرتے ہیں، جن میں صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں: «وَكُنَّا نَكْرَهُ أَنْ نَقُومَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَمَا تَفْعَلُ الْأَعَاجِمُ بِمُلُوكِهَا»۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل کراہت قیامِ تعظیمی کی اس مخصوص صورت میں تھی جو غیر مسلم اقوام اپنے بادشاہوں کے ساتھ اختیار کرتی تھیں۔ لہٰذا اصحابہ کرامؓ نے اس طرزِ عمل کو نبی اکرم ﷺ کی تواضع، عبودیت اور مساواتِ اسلامی کے منافی سمجھا اور اس سے اجتناب کیا۔ نبی اکرم ﷺ کا اس اجتناب پر سکوت اس بات کی دلیل بن گیا کہ ان کا یہ فہم قابلِ اعتبار تھا۔

اس روایت سے ایک اہم اصولی قاعدہ بھی مستنبط ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ صحابۂ کرام کا کسی عمل کو نبی اکرم ﷺ کی معلوم شدہ ناپسندیدگی کی وجہ سے ترک کرنا، پھر اس ترک کا عہدِ نبوی میں برقرار رہنا اور اس پر کوئی نکیر منقول نہ ہونا، حدیثِ تقریری کے باب میں نہی کے اثبات کے لیے ایک معتبر قرینہ شمار ہوتا ہے۔ تاہم اس نہی کا درجہ ہمیشہ قرائن کے تابع ہو گا۔ اگر صریح ممانعت، وعید یا مذمت موجود نہ ہو تو ایسی تقریری دلالت کو تحریم پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ کراہتِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

لہٰذا زیرِ بحث روایت حدیثِ تقریری سے نہی کے ادنیٰ درجات، خصوصاً کراہتِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ، کے اثبات کی ایک نہایت واضح مثال ہے۔ اس میں صحابۂ کرام کا ترک، نبی اکرم ﷺ کی معلوم شدہ کراہت پر مبنی ہے، اور آپ ﷺ کا سکوت اس فہم کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ یہ روایت اس اصولی نظریے کی تائید کرتی ہے کہ حدیثِ تقریری صرف جوازِ فعل یا جوازِ ترک پر دلالت

نہیں کرتی بلکہ بعض مواقع پر صحابہ کے فہمِ شرعی کے اعتبار اور اس کی تائید پر بھی دلالت کرتی ہے، البتہ اس تائید سے حاصل ہونے والے حکم کا درجہ ہمیشہ قرائنِ حالیہ کی روشنی میں متعین کیا جائے گا۔

حدیث تقریری میں صحابہ کے احتیاطی ترک سے نہی کا فہم اور اس کی دلالت

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ:"كُنَّا نَتَّقِي الْكَلَامَ وَالِانْبِسَاطَ إِلَى نِسَائِنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَيْبَةَ أَنْ يَنْزِلَ فِينَا شَيْءٌ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكَلَّمْنَا وَانْبَسَطْنَا[x]."

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے وقت میں ہم اپنی بیویوں کے ساتھ گفتگو اور بہت زیادہ بے تکلفی سے اس ڈر کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے کہ کہیں کوئی بے اعتدالی ہو جائے اور ہماری برائی میں کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی تو ہم نے ان سے خوب کھل کے گفتگو کی اور خوب بے تکلفی کرنے لگے۔

عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس محتاط طرزِ عمل سے استدلال کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ 'فتح الباری' میں رقمطراز ہیں:"

"قَوْلُهُ: (كُنَّا نَتَّقِي الْكَلَامَ وَالِانْبِسَاطَ إِلَى نِسَائِنَا) أَيْ: نَجْتَنِبُ التَّوَسُّعَ فِي ذَلِكَ خَشْيَةَ أَنْ يَنْزِلَ فِي حَقِّنَا شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ يَعِيبُ عَلَيْنَا ذَلِكَ أَوْ يُحَرِّمُ بَعْضَ مَا كَانَ مُبَاحًا، وَفِي رِوَايَةِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ وَابْنِ حِبَّانَ وَالْإِسْمَاعِيلِيِّ: "كُنَّا نَتَّقِي النِّسَاءَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَبْسُطَ إِلَيْهِنَّ أَيْدِيَنَا وَأَلْسِنَتَنَا"[xi]

ترجمہ

"ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول (ہم اپنی عورتوں سے گفتگو اور بے تکلفی سے بچتے تھے) کی تشریح میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یعنی ہم اس معاملے میں حد سے زیادہ وسعت یا آزادی اختیار کرنے سے پرہیز کرتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں ہمارے حق میں کوئی ایسی وحی نازل نہ ہو جائے جو ہمارے اس طرزِ عمل پر عیب (نقص) لگائے، یا کسی ایسی چیز کو ہم پر حرام کر دے جو (اصل میں) مباح تھی۔ اور ابن ماجہ، ابن حبان اور اسماعیلی کے ہاں اس حدیث میں عبید اللہ بن عمر کی نافر سے روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عورتوں کے معاملے میں اس بات سے بچتے تھے کہ ہم ان پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں کھولیں (یعنی ان پر سختی یا زبان درازی کریں)"

استدلال

یہ روایت حدیثِ تقریری سے استدلال کے باب میں ایک نہایت اہم اصولی مثال ہے، کیونکہ اس میں صحابہ کرامؓ کا ایک اجتماعی ترک مذکور ہے جو محض عادت یا عرف پر مبنی نہیں بلکہ وحی کے نزول کے امکان کے فہم پر قائم تھا۔

سب سے پہلے قابلِ غور امر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے طرزِ عمل کو لفظ "نَتَّقِي" کے ذریعے بیان کیا ہے، جو صرف عدمِ فعل نہیں بلکہ ایک شعوری اور احتیاطی اجتناب کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ ترک محض سماجی لحاظ یا عارضی کیفیت نہیں تھا بلکہ ایک دینی شعور اور وحی کے ممکنہ نزول کے تصور پر مبنی تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی ﷺ کی موجودگی میں ہر عمل شرعی مواخذے کے دائرے میں آسکتا تھا، اس لیے وہ حتیٰ کہ مباح اور فطری امور میں بھی حد درجہ احتیاط اختیار کرتے تھے۔

یہاں "ترک" کا محل محض ایک عملی مسئلہ نہیں بلکہ ایک فقہی و اصولی تصور ہے، جس میں صحابہ کرامؓ نے اپنے طرزِ تعامل کو وحی کے احتمال کے ساتھ جوڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ازواج کے ساتھ گفتگو اور بے تکلفی جیسے امور کو بھی محدود رکھا، جو عام حالات میں بالکل مباح اور فطری افعال ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ترک نہیِ صریح پر نہیں بلکہیبتِ نبوی اور "خشیتِ نزولِ وحی" کے فہم پر مبنی تھا۔

اس روایت کا سب سے اہم اصولی پہلو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اس طرزِ عمل پر سکوت اس کی تقریری حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ اگر یہ احتیاط شریعت کے منافی ہوتی یا غیر مطلوب ہوتی تو نبی ﷺ اس کی تصحیح فرماتے، لیکن اس کے برعکس یہ طرزِ عمل پورے عہدِ نبوی میں برقرار رہا۔ لہٰذا یہ سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کا یہ فہم اصولاً معتبر تھا، اگرچہ یہ فہم تحریم کے درجے کو لازم نہیں کرتا۔

مزید یہ کہ جب نبی ﷺ کی وفات کے بعد یہ احتیاط ختم ہوئی اور صحابہ نے گفتگو اور بے تکلفی اختیار کرلی، تو اس سے یہ اصولی نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ ترک بذاتِ خود مستقل حکمِ شرعی نہیں تھا بلکہ ایک اجتہادی فہم تھا جو مخصوص زمان وحال سے متعلق تھا۔

اس روایت سے حدیثِ تقریری کے باب میں یہ اصولی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ: صحابہ کرامؓ کا کسی عمل کو نبی ﷺ کی موجودگی میں ترک کرنا، اگر کسی فہمِ احتیاط یا ہیبت پر مبنی ہو اور نبی ﷺ اس پر سکوت فرمائیں، تو یہ ترک اپنی اصل میں شرعی دائرے کے اندر معتبر ہوتا ہے، تاہم اس سے اخذ ہونے والا حکم ہمیشہ قرائن کے تابع ہوگا۔ اگر قرائن شدت پر دلالت کریں تو کراہتِ تحریمی تک پہنچ سکتا ہے، اور اگر قرائن صرف احتیاط پر دلالت کریں تو یہ خلافِ اولیٰ یا ترکِ ادنیٰ کے درجے میں رہے گا۔

طواف کے دوران اختلاطِ مرد وزن سے احتراز سے متعلق حدیث تقریری سے استدلال

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: كُنَّا نَتَحَاشَى الطَّوَافَ مَعَ النِّسَاءِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَكُونَ الطَّوَافُ مِنْ وَرَائِهِنَّ.[xii]

حضرت عمرو بن دینارؒ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: "ہم رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں عورتوں کے ساتھ (مخلوط ہوکر) طواف کرنے سے بچتے (اور احتراز کرتے) تھے، اور وہ (ابن عمر) اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ (مردوں کا) طواف ان عورتوں کے پیچھے سے (الگ تھلگ) ہو۔"

استدلال

پہلے بارہا مرتبہ یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ جب صحابہ کرام شریعت کے مزاج کو سمجھ کر کسی عمل سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے اور عہدِ رسالت میں وحی کے نزول کے باوجود ان کے اس طرزِ عمل کو برقرار رکھا گیا، تو یہ شریعت کی نظر میں 'حدیثِ تقریری' کا وہ اعلیٰ درجہ بن جاتا ہے جو ثابت کرتا ہے کہ اس فعل کا ترک کرنا ہی مطلوبِ شرعی ہے۔ اس اصولی استدلال کی قوی ترین مثال مناسکِ حج کے دوران طوافِ کعبہ میں مردوزن کے اختلاط سے بچنے کا تعاملِ صحابہ ہے۔

یہ اثر صراحت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کا "بچنا" (کنا نتحاشی) محض ان کا ذاتی فیصلہ نہیں تھا، بلکہ عہدِ رسالت (علی عھد رسول اللہ) کی قید یہ واضح کرتی ہے کہ یہ وہ شرعی مزاج تھا جسے حضور ﷺ کی تصویب (منظوری) حاصل تھی۔ لہٰذا، جس اختلاط سے صحابہ بچتے تھے، وہ شریعت میں ممنوع یا کم از کم مکروہِ تحریمی کے درجے میں داخل ہے۔

امام بخاریؒ نے اسی اصولی موقف کی تائید میں اپنی جامع صحیح میں ایک تفصیلی روایت نقل فرمائی ہے، جو ثابت کرتی ہے کہ ازواجِ مطہرات اور صحابیات کا طواف بھی مردوں کے ہجوم سے الگ تھلگ ہوا کرتا تھا:

"عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: إِذْ مَنَعَ ابْنُ هِشَامٍ النِّسَاءَ الطَّوَافَ مَعَ الرِّجَالِ، قَالَ: كَيْفَ يَمْنَعُهُنَّ وَقَدْ طَافَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الرِّجَالِ؟ قُلْتُ: أَبَعْدَ الْحِجَابِ أَوْ قَبْلُ؟ قَالَ: إِي لَعَمْرِي، لَقَدْ أَدْرَكْتُهُ بَعْدَ الْحِجَابِ. قُلْتُ: كَيْفَ يُخَالِطْنَ الرِّجَالَ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنَّ يُخَالِطْنَ، كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَطُوفُ حَجْرَةً مِنَ الرِّجَالِ لَا تُخَالِطُهُمْ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ انْطَلِقِي نَسْتَلِمْ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ انْطَلِقِي عَنْكِ وَأَبَتْ يَخْرُجْنَ مُتَنَكِّرَاتٍ بِاللَّيْلِ فَيَطُفْنَ مَعَ الرِّجَالِ وَلَكِنَّهُنَّ كُنَّ إِذَا دَخَلْنَ الْبَيْتَ قُمْنَ حَتَّى يَدْخُلْنَ وَأُخْرِجَ الرِّجَالُ [xiii]

ترجمہ

ابن جریج سے روایت ہے، کہ حضرت عطاء نے کہا: جب ابن ہشام نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے روک دیا تو میں نے کہا کہ تو انھیں کیوں روکتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ عنھن اجمعین نے مردوں کے ساتھ طواف کیا ہے؟ (راوی حدیث ابن جریج کہتا ہے:) میں نے کہا: کیا پردے کی آیت اترنے سے پہلے یا بعد؟ عطاء کہنے لگے: میری عمر کی قسم! میں نے انھیں آیت حجاب کے نزول کے بعد پایا ہے۔ اس پر ابن جریج نے کہا: عورتیں مردوں کے ساتھ کس طرح مل جل جاتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: اختلاط نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہؓ مردوں سے الگ تھلگ ہو کر طواف کرتی تھیں، ان سے اختلاط نہ کرتی تھیں۔ ایک عورت نے ان سے عرض کیا: اے اُم المومنین! چلیں حجر اسود کو بوسہ دیں۔ انھوں نے فرمایا: تم جاؤ اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ازواج مطہرات رضوان اللہ عنھن اجمعین رات کے وقت اس حالت میں نکلتیں کہ پہچانی نہ جاتی تھیں اور

مردوں کے ساتھ طواف کرتی تھیں، البتہ جب وہ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا چاہتیں تو کھڑی رہتیں، مردوں کو باہر نکالا جاتا (پھر وہ بیت اللہ میں داخل ہوتیں) ۔"

یہ متن واضح کرتا ہے کہ عبادت (طواف) کا اصل حکم اپنی جگہ جواز کا حامل ہے، لیکن صحابہ اور ازواجِ مطہرات کا عمل گواہی دیتا ہے کہ وہ طواف کے اندر 'اختلاط' کے فعل کو ترک کرتے تھے۔ چنانچہ، مسلمانوں کا اجتماعی تعامل یہی رہا کہ طواف میں مرد وزن کا خلط ملط ہونا ممنوع ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی کا اصولی استدلال

شارحِ بخاری حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے «فتح الباري» میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

"وَقَدْ أَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ الطَّوَافَ مَعَ النِّسَاءِ وَيَقُولُ: كُنَّا نَتَحَاشَى مَعَ النِّسَاءِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَمَعْنَى قَوْلِهِ: "نَتَحَاشَى" أَيْ: نَعْتَزِلُ عَنْهُنَّ وَنَطُوفُ مِنْ وَرَائِهِنَّ أَوْ يَطُوفُونَ هُنَّ مِنْ وَرَاءِ الرِّجَالِ لِتَجَنُّبِ الْمُمَاسَّةِ وَالِاخْتِلَاطِ. وَهَذَا هُوَ الْأَصْلُ فِي بَابِ التَّقْرِيرِ وَالِاتِّقَاءِ، أَنَّ مَا كَانَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّحَرُّزِ عَنِ الْمَحْظُورِ فَهُوَ السُّنَّةُ الْمُتَّبَعَةُ."[xiv]

ترجمہ:

اور امام عبد الرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تخریج کی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ طواف کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور کہتے تھے: 'ہم رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں عورتوں کے ساتھ (طواف کرنے) سے بچتے اور احتراز کرتے تھے'۔ پس ان کے قول 'نتحاشی' کا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے الگ رہتے تھے اور ان کے پیچھے سے طواف کرتے تھے، یا عورتیں مردوں کے پیچھے سے طواف کرتی تھیں تاکہ (ایک دوسرے کو) چھونے اور خلط ملط ہونے سے بچا جا سکے۔ اور یہ 'تقریر اور اتقاء' کے باب میں اصل قاعدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں جس ممنوعہ چیز سے بچنے کا عمل قائم تھا، وہی اتباع کی جانے والی سنت ہے۔"

اس روایت سے حدیثِ تقریری کے ذریعے نہی تنزیہی (کراہتِ تنزیہی) یا کم از کم اختلاطِ مرد وزن سے احتراز کے استحباب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں (کُنَّا نَتَحَاشَی الطَّوَافَ مَعَ النِّسَاءِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ) ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے ساتھ مل کر طواف کرنے سے بچتے تھے۔

اس اثر میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ صحابہ کے اس عملی رویے کو بیان کر رہے ہیں کہ وہ دورانِ طواف عورتوں کے ساتھ اختلاط اور مزاحمت سے اجتناب کرتے تھے۔ اگرچہ روایت میں نبی کریم ﷺ کا صریح قول مذکور نہیں، لیکن چونکہ یہ عمل عہدِ نبوی میں صحابہ کے درمیان معروف تھا اور آپ ﷺ کے علم و اطلاع کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا، پھر آپ ﷺ کی طرف سے اس پر کوئی نکیر یا

ممانعت منقول نہیں، اس لیے یہ تقریرِ نبوی کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اصولیین کے نزدیک نبی ﷺ کا کسی فعل کو دیکھ کر یا اس کے وقوع سے آگاہ ہو کر خاموش رہنا اس فعل کے جواز بلکہ بعض اوقات اس کے استحسان پر دلالت کرتا ہے۔

اس روایت میں غور کیا جائے تو صحابہؓ نے صرف اختلاط کے جواز پر اکتفا نہیں کیا بلکہ « نَتَحَاشَى » (ہم بچتے تھے) کا لفظ استعمال کیا ہے، جو محض جواز سے زائد ایک پسندیدہ طرزِ عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گویا اصل مقصود یہ تھا کہ عبادت کے دوران مرد و عورت ایک دوسرے سے حتی الامکان فاصلے پر رہیں اور بلا ضرورت اختلاط نہ ہو۔ جب صحابہؓ کا یہ احتیاطی طرزِ عمل نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جاری رہا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی تو یہ تقریری طور پر اس احتیاط کے مشروع اور مستحسن ہونے کی دلیل بن گیا۔

مزید بر آں روایت کے آخری الفاظ "وَكَانَ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَكُونَ الطَّوَافُ مِنْ وَرَائِهِنَّ"

یعنی حضرت ابن عمرؓ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مرد عورتوں کے پیچھے رہ کر طواف کریں۔ یہ جملہ استدلال کو مزید واضح کرتا ہے؛ کیونکہ اگر عورتوں کے ساتھ شانہ بشانہ طواف کرنا مطلوب یا مساوی درجہ کا عمل ہوتا تو پیچھے رہنے کی خصوصی رعایت اور اس کا ذکر بے معنی ہوتا۔ حضرت ابن عمرؓ کا عورتوں کے پیچھے رہ کر طواف کو پسند کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے نزدیک عورتوں کے ساتھ گھل مل کر طواف کرنے سے بچنا افضل اور اولیٰ تھا۔

لہٰذا احدیثِ تقریری کے اصول کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت سے نہیِ تحریمی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ خود طواف کا جواز برقرار ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی اسے مطلقاً ممنوع قرار نہیں دیا۔ البتہ اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کا بلا ضرورت ایک دوسرے میں گھل مل جانا خلافِ اولیٰ اور مکروہِ تنزیہی کے درجہ میں ہے، جبکہ ان سے الگ رہنا اور اختلاط سے بچنا مستحب و افضل ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تقریری تائید نے صحابہؓ کے اس احتیاطی عمل کو شرعی اعتبار عطا کیا، جس سے نہی کے خفیف درجے یعنی کراہتِ تنزیہی یا کم از کم ترکِ اختلاط کے استحباب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے طواف، نماز اور دیگر اجتماعی عبادات میں مرد و عورت کے درمیان مناسب فاصلہ اور امتیاز کو مطلوبِ شرع قرار دیا ہے، اور اس روایت کو اس باب کے مؤید دلائل میں شمار کیا ہے۔

حوالہ جات

---

i - الهمامی، مبارك بن سالم بن علی خمیس، تروك النبي ﷺ ودلالتها على الأحكام: دراسة أصولية تطبيقية على أبواب العبادات (مكه مكرمه: جامعة أم القرى، كلية الشريعة والدراسات الإسلامية، رسالة ماجستير، 1430-1431هـ)، ص: ٨٠

ii - قرافی، احمد بن ادریس- الفروق- دار المعرفة، بیروت، جلد 1، ص: 186-

iii - شاطبی، ابراهیم بن موسیٰ- الموافقات في أصول الشريعة- دار المعرفة، بیروت، جلد 3، ص: 247-

iv - ابن ماجه، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام، حديث: 1612، رياض: دار السلام، 2000ء-

v -ترمذی، محمد بن عیسیٰ- جامع الترمذي- كتاب الجنائز، باب ما جاء في الطعام لأهل الميت، حديث: 998- بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء-

vi - السندي، محمد بن عبد الهادي- كفاية الحاجة في شرح سنن ابن ماجه (حاشية السندي)- بیروت: دار الفكر، ج 1، ص 493-

vii - المباركفوری، محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم، تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، دار الكتب العلميه، ج 2، ص 33-34-

viii - الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، كتاب الأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل، حديث: 2754

ix - المباركفوری، محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم، تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، ج 8، ص 22-

x - صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوصاة بالنساء، رقم الحديث: ٥١٨٧

xi - ابن حجر عسقلانی، فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مداراة النساء، جلد 9، صفحه 292، تحت حديث رقم 5187

xii - الفاكہی، محمد بن اسحاق، اخبار مكه فی قديم الدهر و حديثه، تحقيق: ڈاكٹر عبد الملك عبد الله بن دہيش، دار خضر، ج 1، ص 252، رقم الحديث: 440-

xiii - صحيح البخاري : كِتَابُ الحَجِّ، بَابُ طَوَافِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ، رقم الحديث: ١٦١٨

xiv - ابن حجر، فتح الباری شرح صحيح البخاری، ج 3، ص 480-

- Al-Hammāmī, Mubārak b. Sālim b. ʿAlī Khumays. *Turūk al-Nabī ﷺ wa Dalālatuhā ʿalā al-Aḥkām: Dirāsah Uṣūliyyah Taṭbīqiyyah ʿalā Abwāb al-ʿIbādāt*. Makkah al-Mukarramah: Jāmiʿat Umm al-Qurā, Kulliyyat al-Sharīʿah wa al-Dirāsāt al-Islāmiyyah, M.A. Thesis, 1430–1431 AH, p. 80.
- Al-Qarāfī, Aḥmad b. Idrīs. *al-Furūq*. Beirut: Dār al-Maʿrifah, vol. 1, p. 186.
- al-Shāṭibī, Ibrāhīm b. Mūsā. *al-Muwāfaqāt fī Uṣūl al-Sharīʿah*. Beirut: Dār al-Maʿrifah, vol. 3, p. 247.
- Ibn Mājah, Muḥammad b. Yazīd al-Qazwīnī. *Sunan Ibn Mājah*. Kitāb al-Janāʾiz, Bāb Mā Jāʾa fī al-Nahy ʿan al-Ijtimāʿ ilā Ahl al-Mayyit wa Ṣanʿat al-Ṭaʿām, ḥadīth no. 1612. Riyadh: Dār al-Salām, 2000.
- Al-Tirmidhī, Muḥammad b. ʿĪsā. *Jāmiʿ al-Tirmidhī*. Kitāb al-Janāʾiz, Bāb Mā Jāʾa fī Al-Ṭaʿām li-Ahl al-Mayyit, ḥadīth no. 998. Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī, 1998.
- Al-Sindī, Muḥammad b. ʿAbd al-Hādī. *Kifāyat al-Ḥājah fī Sharḥ Sunan Ibn Mājah (Ḥāshiyat al-Sindī)*. Beirut: Dār al-Fikr, vol. 1, p. 493.
- Al-Mubārakfūrī, Muḥammad ʿAbd al-Raḥmān b. ʿAbd al-Raḥīm. *Tuḥfat al-Aḥwadhī bi-Sharḥ Jāmiʿ al-Tirmidhī*. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, vol. 2, pp. 33–34.
- Al-Tirmidhī, Muḥammad b. ʿĪsā. *Sunan al-Tirmidhī*. Kitāb al-Adab, Bāb Mā Jāʾa fī Karāhiyyat Qiyām al-Rajul li-al-Rajul, ḥadīth no. 2754.

- Al-Mubārakfūrī, Muḥammad ʿAbd al-Raḥmān b. ʿAbd al-Raḥīm. *Tuḥfat al-Aḥwadhī bi-Sharḥ Jāmiʿ al-Tirmidhī*. Vol. 8, p. 22.
- *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Kitāb al-Nikāḥ, Bāb al-Waṣāh bi-al-Nisāʾ, ḥadīth no. 5187.
- Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī. *Fatḥ al-Bārī bi-Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Kitāb al-Nikāḥ, Bāb Mudārāt al-Nisāʾ, vol. 9, p. 292, commentary on ḥadīth no. 5187.
- Al-Fākihī, Muḥammad b. Isḥāq. *Akhbār Makkah fī Qadīm al-Dahr wa Ḥadīthih*. Ed. Dr. ʿAbd al-Malik ʿAbd Allāh b. Duhayyish. Dār Khaḍr, vol. 1, p. 252, ḥadīth no. 440.
- *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Kitāb al-Ḥajj, Bāb Ṭawāf al-Nisāʾ Maʿa al-Rijāl, ḥadīth no. 1618.
- Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī. *Fatḥ al-Bārī bi-Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Vol. 3, p. 480.